مولانا سعید احمد عنایت اللہ مدرس مدرسہ صولتیہ
مکہ مکرمہ

حدود شرعیہ کی مخالفت

فکری ارتداد کا دروازہ

اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود اور بھیانک معاشرتی جرائم، ڈکیتی، بدکاری، شراب نوشی اور قذف وغیرہ پر جو شرعی سزائیں خالق بشر نے مقرر فرمائی ہیں وہ پوری کائنات کے لیے سراسر رحمت ہیں۔ یہ انسانی معاشرے میں قیام امن اور بشریت کی ہر دو صنف مرد و زن کی عزت و عصمت ان کے مال و جان کی حفاظت کی ضامن ہیں بلکہ انسانیت کے مقام شرافت و کرامت کی کفیل یہی حدود اللہ ہیں جن کے مبارک ثمرات کا اولین نتیجہ انسانوں کے اس دنیا میں مکمل تحفظ کی صورت میں ملتا ہے۔

ان سراپائے رحمت حدود کو دہشت گردی گردانا کفران نعمت اور صرف خدا رسول سے ہی بیزاری کا اعلان نہیں بلکہ انسانیت دشمنی اور ــــــ خبث باطن اور ہوا پرستی کی ظاہر دلیل ہے۔

خصوصاً مملکت خداداد پاکستان جو صرف تنفیذ شریعہ اسلامیہ کے لیے معرض وجود میں آئی۔ اس ملک میں حدود اللہ کے خلاف شرانگیزی وطن عزیز کی اساس کو ہلانا اور ارض پاک کے خلاف بغاوت کی ایک سازش ہے جس کی ابتدائی سزا یہ ہونی چاہیے کہ پاکستانی شہریت کا حامل جو شخص اسلامی شریعت کے کسی پہلو پر طعن کرے اس سے پاکستانی شناخت کا حق چھین لیا جانے اور پھر ملت و ملک کے اس باغی کا پورا محاسبہ کیا جانا چاہیے۔

الحمدللہ تاسیس پاکستان کے آغاز سے ہنوز ہمارے عوام کی اکثریت اور ایوانوں کی غالبیت چاہے کسی جماعت سے وابستہ ہو اسلامی شریعت کی برتری پر غیر متزلزل یقین رکھتی ہے اور اپنی ملکی فلاح و بقا صرف اور صرف نظام اسلامی میں ہی جانتی ہے۔

کمی صرف اس بات کی ضرور ہے کہ مسلم قومیت کا نظریہ جس کی عملی مشق کے لیے ہندوستان تقسیم ہوا اس کی عملی مشق کا موقع میسر نہ آسکا، اس کوتاہی کا ہر پاکستانی شہری کو احساس ہے اور اسی قصور کا ہر ذمہ دار کو اعتراف بھی ہے مگر اسلام سے بیزاری اور بغاوت یہ عوام اور حکمران ہر دو جہت سے ناقابل معافی جرم ہے اور رہا ہے۔

مگر ہمارے ملک میں چند افراد پر مشتمل ایک طبقہ فکری ارتداد کا بھی شکار ہے جو مغرب کو قبلہ و کعبہ جانتے ہوئے کبھی کبھی شرعی احکام کے خلاف بیزاری کا اظہار کرنے کی جرأت کرتا ہے اور حکومت کے بعض وزراء اور مشیر صاحبان بھی اس فتنے میں ان کے شریک عمل ہو کر نظریہ پاکستان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

ان کا یہ عمل خدا تعالیٰ کے غضب عمومی کو دعوت دیتا ہے اور دوسری طرف یہ طبقہ پاکستان کی اکثریت کی غیرت ایمانی کو چیلنج کرتا ہے ساتھ ساتھ یہ مغرب کے ایجنٹ حکومت کی وسعت نظری کی بھی آزمائش کرتے ہیں کہ کس حد تک حکومتِ پاکستان دینِ اسلام اور نظریۂ پاکستان کے خلاف بغاوت کو برداشت کر سکتی ہے۔

ملت و ملک اور انسانیت کا دشمن یہ طبقہ جسد ملی کے لیے وہ ناسور ہے جس کا فوری معالجہ ناگزیر ہے پاکستانی مسلم معاشرے کی پیشانی پر سے اس بدنما داغ کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔

شریعت مطہرہ کے کسی پہلو پر طعن کرنے والے اور نظریۂ پاکستان کے خلاف زہر اگلنے والے مفسد عناصر اعدائے اسلام کے کارندے ہیں۔ پاکستانی عوام اور حکومت کو ان کا محاسبہ کرنا ہوگا، آج نہیں تو مستقبل قریب میں انشاء اللہ تعالیٰ۔ مذکور الصدر حضرات کی شر انگیزی کی ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ روزنامہ "جنگ" ۲۱ دسمبر کے شمارے میں پاکستان ویمنز رائٹس کمیٹی کراچی کے حوالے سے تحریر ہے کہ

(۱) بچے کی ولادت کے وقت شہریت کے فارم میں "باپ" کے لفظ کے ساتھ "ماں" کا اضافہ ہونا چاہیے تاکہ پیدا ہوتے ہی ہر بچہ (چاہے اس کا نسب کچھ ہو) شہریت کا حق حاصل کر لے۔

(۲) عورت کو قانون شہادت برائے حدود میں مستثنیٰ کرنے کے قانون میں ترمیم ہونی چاہیے۔

(۳) زنا آرڈیننس معصوم افراد کی زندگیوں میں دہشت پیدا کر رہا ہے۔

یہ ہیں بحالیٔ حقوقِ خواتین کی اختراعات و اقتراحات جن کی تکمیل کے طور پر عرض ہے کہ ایسی تجاویز پیش کرنے والے قرآن و سنت کی تعلیمات سے اگر بے بہرہ ہیں تو جان لیں کہ:

(۱) حق تعالیٰ شانہ نے تمام بشریت کو بنی آدم کا لقب دیا اور ان کو ان کے باپ کی طرف منسوب کیا۔ قرآن حکیم نے اولاد کو باپ کی طرف منسوب کرنے کی واضح ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ادعوهم لآبائهم۔ اولاد کی نسبت ان کے باپوں کی طرف کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ بچہ تو اپنے باپ کا ہے اور بدکار کے لیے پتھر ہیں۔

یہ بھی معلوم ہے کہ صرف لعان کی صورت میں بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا۔ کہ نکاح کے بعد خاوند اپنی منکوحہ بیوی کے حمل کا انکار کر دے اور بیوی حلف کے ساتھ اسی سے حمل پر اصرار کرے اور یہ بھی کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہے تو اس (عورت) پر خدا کا غضب ہو تو انکارِ نسب کی صورت میں بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا اور اس ماں کا وارث بھی ہوگا۔ ایسی کوئی صورت نہیں کہ بحالیٔ حقوق کے نام پر ترویج اور بدکاری کی اشاعت کی خاطر ایسے قانون وضع ہوں کہ شرم و حیا کا جنازہ نکل جائے۔

(۲) یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ شہادت ایک مقدس خدائی فریضہ اور عظیم قومی امانت ہے۔ بعض احوال میں خدا تعالیٰ نے صنف نازک پر کرم فرمائی کرتے ہوئے عورتوں کو اس کے تحمل سے اور کچھ دیگر حالات میں بعض اہم فرائض سے رخصتیں دے رکھی ہیں۔ خواتین کو مولا کریم کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ عورت کے فطری ضعف کی شریعت میں کتنی رعایت رکھی گئی ہے۔ نہ یہ کہ کفرانِ نعمت کے طور پر عورت کا اصرار ہو کہ وہ ضرور اس بوجھ کو اٹھائے گی۔

یہ عین رحمتِ الٰہی ہے کہ عورت کو امامتِ صغریٰ یعنی نماز کی امامت اور امامتِ مملکت کی ذمہ داری کے تحمل سے مستثنیٰ قرار دیا۔

(۳) اسی طرح اسلامی حدود پر غور کریں کہ بدکار کو کوڑے لگانا یا سنگساری، چور کا ہاتھ کاٹنا، ڈاکو کا ساتھ ہی پاؤں بھی کاٹ دینا یا قتل کرنا، قاتل کی گردن اتار پھینکنا یہ سب دہشت گردی کے خلاف مبارک جہاد ہے اور جرائم کے انسداد کا ایک ایسا سہل نسخہ ہے جسے حکیم مطلق نے فطرتِ انسانی کے عین مطابق تجویز فرمایا ہے تاکہ یہ حدود مفسد عنصر کا قلع قمع کرکے پرامن معاشرے کی تخلیق کرنے میں مدد دے سکیں جن سے مظلوم کی دادرسی ہوتی ہے۔ مجرمین کے لیے مقامِ عبرت اور شریروں کو ان کے شر سے باز رکھ کر پرامن انسانوں کی خدمت اور برکاتِ خداوندی کو حاصل کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی حد کے نفاذ کی برکات چالیس سال کی بارش سے بھی بڑھ کر ہیں۔

تو مفسد عنصر کا قلع قمع انسانی معاشرے کے ساتھ عین رحمت ہے جس طرح کہ فاسد عضو کو مریض پر شفقت اور کمالِ رحمت کے تقاضہ سے کاٹ کر بقیہ جسد کو مامون و محفوظ بنایا جائے اس میں کسی کی حق تلفی کیسے ہے۔ نہ مردوں کی نہ عورتوں کی۔ بلکہ اقامتِ حدود میں تو صاحبِ حق کو اس کے حق کے دلانے کا تحفظ ہے۔

البتہ خدائی ضوابط کو موردِ طعن ٹھہرانا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو خالق کے سراپا رحمت نظامِ حیات سے محروم رکھنا یہ خالق اور مخلوق دونوں کی حق تلفی ہے اور دوہرا ظلم ہے۔ اسی لیے ارشادِ ربانی ہے،

ومن لم یحکم بما انزل اللہ
فاولٰئک ھم الظٰلمون

جو خدا تعالیٰ کے نازل کردہ نظامِ حکومت کا نفاذ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔

کیونکہ خدا تعالیٰ کے حقِ اطاعت میں کوتاہی کرکے مخلوق کو اس کی رحمت سے محروم کرکے یہ ظالم اپنی ڈھٹائی سے خدا تعالیٰ کے نزدیک فاسق بھی بن جاتے ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ
فاولٰئک ھم الفاسقون

اور شریعتِ مطہرہ کے نظام کو غیر صالح سمجھ کر منکر ہو جانے پر یہ کافر بھی گردانے جاتے ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ
فاولٰئک ھم الکافرون (سورۃ المائدہ)

انسان کے وضعی قوانین میں نقص اور خالق انسان کے وضع کردہ نظام میں کمال اور جامعیت بالکل اسی طرح بدیہی ہے جیسے کہ خالق و مخلوق میں فرق۔ نہ سمجھیں تو دونوں نظاموں میں تقابل کرلیں۔

بشری قوانین کی قیامِ امن میں عدمِ صلاحیت جاننے کے لیے اقوامِ عالم میں سب سے ترقی یافتہ ملک امریکہ کو دیکھ لیں کہ اعلیٰ اور جدید ترین مادی وسائل کی کثرت کے باوجود بدامنی اور اخلاقی گراوٹ میں اسفل سافلین میں ہے۔ عفت و پاکدامنی کا تصور معدوم، دن دہاڑے قتل و غارت اور ڈکیتیاں معمولِ زندگی۔ کوئی شخص نقدی لے کر جیب میں چلنے کو یوں ہی سمجھتا ہے کہ ایٹم بم ہے جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔

جرائم کی کثرت سے مجرموں کے لیے بنائی گئی جیلوں میں گنجائش نہیں۔ تو اب بحری جہازوں میں بند کرکے انہیں کھلے سمندروں میں کھڑا کر دیتے ہیں۔

اس کے تقابل میں اسلام کے نظامِ حکومت اور اس کی حدود کے قیام سے پرامن معاشرے کا صدیوں تک

انسانوں نے تجربہ کیا اور آج بھی جن ممالک اسلامیہ میں شرعی سزائیں قائم شدہ کی جاتی ہیں ان میں امن عامہ کی حالت مشرق و مغرب میں قابلِ رشک ہے۔ کاش کہ ہم بھی پاکستان میں تنفیذِ شریعت کی عملی مشق کر کے اغیار کے لیے قابلِ تقلید بنتے۔

مگر پاکستانی معاشرے کے بعض افراد جو مادر پدر آزادی کے قائل ہیں اسلامی نظام کے خلاف ہمارے معزز معاشرے کے شرف و کرامت اور عفت کو ہم سے چھیننا چاہتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ اپنے مغربی آقاؤں کی حالت سے عبرت پکڑتے اور ان کی حالتِ زار پر رحم کے طور پر اور حق نمک خواری کی ادائیگی ان کو اسلام کے جامع نظامِ حکومت کو اختیار کرنے کی دعوت دے کر ان پر احسان کرتے مگر کتنی بے حیائی اور باطل پرڈھٹائی ہے کہ یہ لوگ الٹا بجائے حقوق کے نام سے شریعت مطہرہ کے خلاف ہرزہ سرائی کریں۔ نہ خدا کا خوف مانع ہو نہ مسلم اکثریت کے غیظ و غضب کا ڈر، نہ حکومت کی طرف سے محاسبہ کی فکر۔

حکومت کا فریضہ ہے کہ فکری ارتداد کے حامل، وطن اور ملت کے ان غداروں کا شدید حساب لے، ورنہ پاک وطن کے غیور مسلمان ان کے محلوں، گلی کوچوں، ان کے گھروں اور دفتروں میں ان کا تعاقب کریں گے پھر اسلام کے فدایان کی گرفت سے مغرب کے ان ایجنٹوں اور قومی مجرموں کو وہ نہ بچا سکیں گے۔

بقیہ: اخلاص اور اس کی برکات

لہ اجران: اجر السر واجر العلانیۃ) بلکہ لوگوں کی یہ تعریف ایک قسم کی بشارت ہے جو دنیا میں اسے مل گئی۔ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم انتم شہداء اللہ علی الارض)۔

امام مسلم نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کی ہے میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک شخص نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا یہ مومن کے لیے دنیا میں ہی بشارت ہے۔

ریاء سے خوف

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا "اے لوگو! اس شرک سے ڈرو کیونکہ یہ چیونٹی کے قدموں کی آہٹ سے بھی زیادہ مخفی ہے۔

ایک شخص نے پوچھا۔ پھر اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

فرمایا یہ کہا کرو۔ اللھم انا نعوذ بك من ان نشرك بك شيئا نعلمه، ونستغفرك لما لا نعلمه

اللہ تعالیٰ ہمیں ریاء سے محفوظ فرمائے اور اخلاص کی نعمت سے نوازے۔ آمین۔

بقیہ: آپ نے پوچھا

میں بھی مہارت پیدا کرنے کا کفیل ہو اور اس سلسلہ میں جمعیۃ العلماء ہند ارباب علم سے رائے لے کر اپنی صوابدید کے مطابق حتی الوسع جلد کوئی مؤثر اقدام کرے"۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ درس نظامی کے نصاب میں عصری تقاضوں کے امتزاج کی ضرورت کا احساس ہمارے اکابر کو بھی تھا صرف اتنی بات تھی کہ وہ تحریک آزادی میں مصروفیات کے باعث اس سمت کوئی نتیجہ خیز عملی پیش رفت نہیں کر سکے اور اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر ۱۹۴۳ء میں اس ضرورت کا احساس اس قدر شدت کے ساتھ تھا تو آج ۱۹۹۰ء میں اس کی اہمیت اور ضرورت میں کس قدر اضافہ ہو چکا ہوگا۔

قافلۂ معاد

مدیر کے قلم سے

شہیدِ ناموسِ صحابہؓ، مولانا حق نواز جھنگویؒ

انجمن سپاہِ صحابہؓ پاکستان کے سرپرستِ اعلیٰ اور تحفظِ ناموسِ صحابہؓ کے بے باک نقیب مولانا حق نواز جھنگویؒ ۲۲ فروری ۹۰ء کو جھنگ صدر میں اپنی رہائش گاہ کے دروازے پر سفاک قاتل کی گولیوں کا نشانہ بن کر جام شہادت نوش کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولانا شہیدؒ جامعہ مدنیہ شورکوٹ کینٹ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے روانگی کی تیاری کر رہے تھے جہاں انھوں نے رات کی نشست سے خطاب کرنا تھا اچانک آٹھ بجے کے قریب کسی نے دروازے پر گھنٹی دی مولانا جھنگویؒ باہر آئے مبینہ طور پر دو آدمی تھے جن میں سے ایک نے مولاناؒ سے گفتگو شروع کی اور دوسرے نے ریوالور سے پے در پے فائر کر دیئے مکان کے سامنے گراؤنڈ میں شادی کی ایک تقریب تھی مولانا جھنگویؒ نے شورکوٹ جانے سے قبل اس شادی میں بھی شریک ہونا تھا۔ فائر کی آواز سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ شادی کی خوشی میں نوجوان فائرنگ کر رہے ہیں یہی اشتباہ حملہ آوروں کے لیے غنیمت ثابت ہوا اور وہ موقع سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ گولیاں مولانا جھنگویؒ کے سر گلے اور پیٹ میں لگیں وہ وہیں گر گئے۔ انھیں گرتا دیکھ کر اردگرد کے لوگ متوجہ ہوئے علاقہ میں کہرام مچ گیا مولانا شہیدؒ کو فوراً ہسپتال لے جایا گیا مگر ہسپتال پہنچنے سے قبل ہی وہ عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ راقم الحروف اس روز شورکوٹ میں تھا۔ ظہر کے بعد جامعہ مدنیہ شورکوٹ کینٹ میں سالانہ جلسہ سے خطاب کیا اور حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ کے ہمراہ مغرب کی نماز جامعہ عثمانیہ شورکوٹ شہر میں ادا کی۔ نماز کے بعد جامعہ عثمانیہ کے مہتمم مولانا بشیر احمد خاکی کے ساتھ انکے دفتر میں بیٹھے تھے کہ مولانا حق نواز جھنگویؒ کا فون آیا۔ مولانا خاکی کے علاوہ انھوں نے علامہ صاحب اور راقم الحروف سے بھی بات کی یہ کم و بیش سات بجے کا وقت تھا یہ ہماری آخری گفتگو تھی جو فون پر ہوئی مولانا جھنگویؒ نے جمعیۃ علماءِ اسلام پاکستان کے اتحاد و دینی کاز کی جد و جہد کو سیاسی پلیٹ فارم پر منظم کرنے کے سلسلہ میں مشاورت کے لیے گوجرانوالہ تشریف آوری کی خواہش کا اظہار کیا اور ہمارے درمیان آئندہ ہفتہ کے دوران کسی وقت مل بیٹھنے کی بات طے ہوئی۔ وہاں سے فارغ ہو کر علامہ خالد محمود صاحب اور راقم الحروف واپسی کے لیے بس سٹاپ پر پہنچے تو بہت سے نوجوان سپاہِ صحابہؓ کا پرچم اٹھائے مولانا حق نواز جھنگویؒ کے استقبال کے لیے انکے انتظار میں کھڑے تھے ان نوجوانوں نے ہی جھنگ جانے والی ایک ویگن روک کر ہمیں سوار کرایا اور جب ہم جھنگ پہنچے تو یہ روح فرسا خبر اپنی تمام تر تلخ سامانیوں سمیت ہماری منتظر تھی کہ عزیمت و استقامت کی شاہراہ کا یہ بلند حوصلہ مسافر شہادت کی منزل کو پہنچ چکا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

نمازِ جنازہ دوسرے روز جمعہ کی نماز کے بعد اسلامیہ ہائی سکول کی گراؤنڈ میں ادا کی گئی حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم

نے نماز جنازہ پڑھائی اور جھنگ میں کرفیو کے اعلان اور چاروں طرف سے آنے والوں کو روکنے کے لیے پولیس کی ناکہ بندی کے باوجود ملک کے مختلف حصوں سے عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی اخبارات کی رپورٹ کے مطابق یہ جھنگ کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا اور نماز جنازہ کے بعد مولانا حق نواز جھنگوی ؒ کے قائم کردہ جامعہ محمودیہ میں انہیں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

جھنگ کے احباب کے مطابق چند روز قبل مولانا جھنگوی ؒ کو دبئی سے ایک ٹیلی فون کال کے ذریعہ خبر دی گئی کہ انہیں قتل کرنے کی سازش ہو رہی ہے اور خفیہ ذرائع کے مطابق ۲۰ فروری سے ۲۵ فروری کے درمیان مولانا حق نواز جھنگوی ؒ مولانا عبدالستار تونسوی اور مولانا منظور احمد چنیوٹی کو قتل کرنے کے ایک منصوبہ کا انکشاف ہوا ہے مولانا جھنگوی ؒ نے گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں اس کا ذکر بھی کر دیا اور انتظامیہ کے نوٹس میں بات آ گئی لیکن تقدیر کے فیصلوں کو کون ٹال سکتا ہے ——— آج مولانا حق نواز جھنگوی ؒ ہم میں نہیں ہیں۔ وہ اپنے عظیم مشن کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کر کے خالق حقیقی کے حضور سرخرو ہو چکے ہیں لیکن تحفظ ناموس صحابہ ؓ کے جس مقدس مشن کی خاطر انھوں نے محنت کی اور قربانی و ایثار کی عظیم روایات کو زندہ کیا وہ مشن زندہ ہے اور جب تک یہ مشن زندہ ہے مولانا حق نواز جھنگوی ؒ کا نام خدمات اور قربانی و ایثار کی روایات زندہ رہیں گی ہم اس عظیم سانحہ پر انجمن سپاہ صحابہ ؓ کے نوجوانوں، جھنگ کے شہریوں اور مولانا شہید ؒ کے اہلِ خاندان سے دلی تعزیت کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا شہید ؒ کے درجات بلند فرمائیں اور ان کے رفقاء، پسماندگان اور عقیدت مندوں کو صبر و حوصلہ کے ساتھ ان کا مشن جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

حضرت مولانا محمد رمضان علوی ؒ

گزشتہ دنوں راولپنڈی کے ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد رمضان علوی ٹریفک کے حادثہ میں زخمی ہونے کے بعد انتقال فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولانا علوی ؒ بھیرہ کے رہنے والے تھے دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، باپ دادا سے قرآن کریم کی خدمت کا ذوق ورثہ میں ملا تھا ایک عرصہ سے راولپنڈی میں قیام پذیر تھے۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا مجلس احرارِ اسلام میں طویل عرصہ رہے۔ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے ساتھ بھی کچھ عرصہ وابستگی رہی اور ان دنوں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ خانقاہ سراجیہ شریف کندیاں کے ساتھ روحانی تعلق تھا اور جری بے باک اور سرگرم عالم دین تھے دینی و قومی تحریکات میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انکی وفات سے ہم ایک شفیق، ہمدرد اور دردِ دل سے سرشار مخلص بزرگ اور عالم دین سے محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں اور انکے فرزندان مولانا عزیز الرحمٰن خورشید مولانا سعید الرحمٰن علوی اور دیگر اہلِ خانہ اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین!

بقیہ: تعارف و تبصرہ

"المذاہب" کے مضامین علمی اور تحقیقی ذوق کے آئینہ دار اور عیسائیت کے بارے میں معلومات افزا ہوتے ہیں۔ ہم علماء کرام اور طلبہ سے بالخصوص گذارش کریں گے کہ وہ "المذاہب" کے مطالعہ کو معمول بنائیں اور اس مشن میں جناب محمد اسلم رانا کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کریں۔

آپ نے پوچھا

مدیر کے قلم سے

اسلام میں معاشی مساوات کا تصور

سوال:

ایک طالب علم تنظیم (۱) خدا پرستی (۲) انسان دوستی اور (۳) معاشی مساوات کو اپنے بنیادی اصول قرار دیتی ہے۔ کیا معاشی مساوات کا تصور اسلام میں ہے؟

نیاز محمد ناصر چترالی، مدرسہ انوار العلوم، گوجرانوالہ

جواب: معاشی مساوات کا معنی اگر تو یہ ہے کہ ایک معاشرہ کے تمام افراد ایک ہی جیسی زندگی گزاریں اور خوراک، لباس، رہائش، ملکیت، کاروبار اور دیگر معاملات میں ان میں کسی قسم کا کوئی تفاوت اور ترجیحات نہ ہوں تو یہ قطعی طور پر ایک غیر فطری تصور ہے جو نہ صرف یہ کہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے بلکہ عملاً بھی ناممکن ہے۔ ہر انسان ذہنی صلاحیت، قوتِ کار اور وسائل سے استفادہ کی استعداد کے لحاظ سے دوسرے سے بالکل مختلف ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اپنے چار یا پانچ لڑکوں کو ایک ایک ہزار روپے کی رقم دیں اور یہ توقع رکھیں کہ سب کے سب اس رقم کو ایک ہی مدت میں خرچ کریں گے، ایک ہی مصرف میں صرف کریں گے اور ایک ہی جیسے نتائج اور منافع حاصل کریں گے۔ یہ قطعی غیر فطری بات ہے اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے البتہ اسلام پیداوار کے قومی ذرائع سے استفادہ کا ہر شہری کو یکساں حق دیتا ہے اور قومی ذرائع سے استفادہ کے حق میں ترجیحات کا قائل نہیں ہے۔ ہر شہری کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ وہ قومی ذرائع سے استفادہ کرے۔ اب اگر کوئی شہری اس حق کو استعمال کرنے میں اپنی ذہنی صلاحیت اور قوتِ کار کے لحاظ سے دوسروں سے بڑھ جائے تو یہ اس کی اپنی محنت اور صلاحیت کا ثمر ہے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں بحرین سے بیت المال میں خاصا مال اور دولت آئی۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ بیت المال سے وظائف اور اموال کی تقسیم میں ترجیحات قائم کی جائیں اور حضرات صحابہ کرامؓ میں فضیلت کے جو درجات ہیں اس لحاظ سے تقسیم کے درجات قائم کی جائیں مثلاً بدری صحابہؓ کو سب سے زیادہ دیا جائے پھر مہاجرینؓ کو پھر تیسرے نمبر پر انصارؓ کو اور پھر بعد میں مسلمان ہونے والے حضراتؓ کا درجہ رکھا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر اس تجویز کو مسترد کر دیا کہ فضیلت کا تعلق آخرت سے ہے۔ اس کا ثواب زیادہ یا کم آخرت میں ملے گا

وَهٰذِهِ مَعَاشٌ فَالْاُسْوَةُ فِيْهِ خَيْرٌ مِّنَ الْاَثَرَةِ

اور یہ معیشت ہے اس میں برابری ترجیح سے بہتر ہے۔

چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ اپنے دورِ خلافت میں اسی اصول پر عمل کرتے رہے لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے اس اصول کو بدل کر اپنی تجویز کے مطابق ترجیحات کی بنیاد پر وظائف کی تقسیم کا سلسلہ شروع کیا

اور دس سال دورِ خلافت میں اسی طریقِ کار پر عمل کیا البتہ آخری سال انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ تجربہ سے یہ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ بیت المال سے وظائف کی تقسیم کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے درست تھی۔ اس لیے آئندہ سال سے میں موجودہ طریقِ کار کو ترک کر کے حضرت ابوبکرؓ کے طے کردہ اصول کے مطابق وظائف کی تقسیم کا نظام قائم کروں گا لیکن اس کے بعد حضرت عمرؓ کی شہادت ہوگئی اور انہیں اپنے نظام پر نظرِ ثانی کا موقع نہیں مل سکا۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں یہ ساری تفصیل بیان کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری اور قومی ذرائع پر تمام شہریوں کا حق یکساں ہے اور اس میں ترجیحات قائم کرنا بہتر نہیں ہے البتہ یہاں زیرِ بحث مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جسے نظر انداز کرنا شاید قرینِ انصاف نہ ہو۔ وہ یہ کہ صدیقی دور میں بیت المال سے وظائف کی تقسیم برابری کی بنیاد پر ہوتی رہی ہے اور فاروقی دور میں ترجیح کا اصول اپنایا گیا ہے۔ اگرچہ حضرت عمرؓ نے اس سے رجوع کا زبانی اظہار فرما دیا تھا لیکن اس کے بعد بھی ترجیحی اصول پر عملدرآمد کا تسلسل قائم رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دراصل دونوں اصول موقع محل کی مناسبت سے قابلِ عمل ہیں اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی اصول کو اپنایا جا سکتا ہے۔ اصل بات اجتماعی مفاد کی ہے۔ اگر کسی وقت حالات کا تقاضہ قومی ذرائع پیداوار کی برابری کی بنیاد پر تقسیم کا ہو اور اجتماعی مفاد اس میں ہو تو ایک اسلامی حکومت اس اصول کو بھی اپنا سکتی ہے اور کسی دور میں اگر اجتماعی حالات کا تقاضا اس کے برعکس ہو تو دوسری صورت اختیار کرنے کی گنجائش بھی موجود ہے

دینی مدارس کا نصاب اور اکابر کا طرزِ عمل

سوال: آج مختلف اطراف سے دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی اور اس میں عصری علوم اور تقاضوں کو شامل کرنے کی آواز اٹھ رہی ہے جبکہ ہمارے اکابر نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی کسی بزرگ نے اس مقصد کے لیے کوشش کی۔ کیا موجودہ رجحان اکابر کے طرزِ عمل سے انحراف نہیں ہے؟

منظور احمد، امن آباد، لاہور

جواب: یہ کہنا کہ ہمارے اکابر نے دینی مدارس کے نصاب میں عصری تقاضوں کو شامل کرنے کی طرف توجہ نہیں دی ہے یا اسے پسند نہیں کیا خلافِ واقعہ بات ہے۔ سب سے پہلے دینی اور عصری علوم کو اکٹھا کرنے کی بات شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے کی تھی اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خود بھی علی گڑھ تشریف لے گئے تھے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کا قیام بھی اسی جذبہ کے تحت عمل میں لایا گیا تھا اور اسی مقصد کے لیے جامعہ ملیہ دہلی کی تشکیل ہوئی تھی۔ اس ضمن میں جمعیۃ العلماء ہند کی مندرجہ ذیل قرارداد بطور خاص اہمیت رکھتی ہے جو جمعیۃ کے تیرھویں عمومی اجلاس منعقدہ لاہور بتاریخ ۲۰-۲۱-۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی زیرِ صدارت منظور ہوئی تھی۔ قرارداد کا متن یہ ہے:

"جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مدارس عربیہ دینیہ کے مروجہ نصاب میں دورِ حاضر کی ضرورتوں کے موافق اصلاح و تبدیلی کی ضرورت شدت سے محسوس کرتا ہے اور مدارس عربیہ کے ذمہ دار حضرات اور تعلیمی جماعتوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ماہرینِ تعلیم کی ایک کمیٹی اس پر غور کرنے کے لیے باہمی مشورے اور تعاون سے مقرر کر کے ایک ایسا نصاب مرتب کرائیں جو دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ضروریاتِ عصریہ (باقی ص ۱۵ پر)